شاہد حسین رزاقی

حاصل مطالعہ

مولانا محمد اسحاق سندیلوی علمی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اسلام کے سیاسی تصورات ان کی تصانیف کا ایک اہم موضوع ہیں۔ اور خلافتِ الٰہیہ اور اس کے مقاصد کے متعلق ان کی تحریروں کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مملکت ایک خاص قسم کی ہیئتِ اجتماعیہ کا نام ہے جو مبدا ر مملکت کے ایک عام تصور کے مطابق حیوانیت کے طبعی ارتقار کی ایک منزل ہے یعنے محض جذباتِ حیوانی اور ماحول کے مقتضیات سے مختلف اور متفرق افرادِ انسانی میں ایک ہیئتِ اجتماعیہ پیدا ہو جاتی ہے جس کو وہ اپنی قومیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس ہیئتِ اجتماعیہ میں بعض خصوصیات کا اضافہ کرکے اس کو مملکت کا نام دیدیا جاتا ہے۔ امتِ مسلمہ کے سوا ہر قوم، اور مملکت کے اسلامی تصور کے سوا ہر ایک تصورِ مملکت اسی حیوانیت کی پیداوار ہے۔ مملکت کے تمام غیر اسلامی تصورات اسی حیوانیت اور بہیمیت کے مظاہر ہیں۔ اگرچہ ان کی شکلیں مختلف ہیں مگر حقیقت سب کی ایک ہے یعنی خدائے بے نیاز سے بے نیازی و بغاوت اختیار کرکے انسان کی حکومت قائم کرنا۔ انسان کی فرماں روائی کل غیر اسلامی سیاسی تصورات ونظریات کی بنیاد ہے۔ اور یہ بنیاد اس قدر کمزور ہے کہ اس کے اوپر جو عمارت بھی تعمیر کی جائے گی وہ نہ صرف خود بہت جلد منہدم ہو جائے گی بلکہ اپنے مکینوں کو بھی ملبہ میں دفن کر دے گی۔

ان تصورات کے برعکس اسلامی تصورِ مملکت کا بنیادی اصول غیر اللہ کی فرمانروائی کی کامل نفی اور محض اللہ تعالےٰ کی فرماں روائی کا کامل اثبات ہے۔ یہی وہ خطِ فاصل ہے جو ابتدار اور بنیاد ہی سے اسلامی مملکت اور غیر اسلامی مملکت میں فرق و امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ فرق و امتیاز ایسا ہے کہ ان دونوں میں کسی مقام پر بھی انفصال و اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اسلام لا الٰہ کی تعلیم دے کر ہر غیر اللہ کی فرماں روائی کی نفی کر دیتا ہے اور الا اللہ کی تعلیم دے کر فرماں روائی کو ذاتِ حق سبحانہٗ کے ساتھ

مخصوص کر دیتا ہے۔ اور اس کا بنیادی اصول ہے ان الحکم الا للّٰہ یعنی حکومت و فرمانروائی کا حق صرف اللہ تعالےٰ کو حاصل ہے۔

مملکت اور حکومت کا اسلامی تصور دنیا کے کل سیاسی تصورات سے بالکل مختلف اور انوکھا ہے۔ اسلام انسانی حکومت و فرمانروائی کا قائل نہیں ہے اور وہ انسانی حکومت کو ختم کرکے اللہ تعالےٰ کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کی حکومت قائم کرنے کا تصور اسلام کا ایک اس قدر اہم اصول ہے کہ اسلام تخلیق انسانی کی غرض و غایت اسی استخلاف فی الارض کو قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے کہ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ یعنے اسلامی مملکت کے فرمانروا نے روئے ارض پر اپنا خلیفہ بنانا چاہا، اور یہی تخلیق انسانی کی غایت ہے۔ اور اس کی وجہ سے انسانیت کی قدر و عزت بلند ترین مرتبہ پر پہنچ گئی۔ قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ انسان دنیا میں خلافتِ الٰہی کی نعمت اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اور تخلیق آدم کا مقصد ہی خلافتِ الٰہیہ کا قیام تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ عظمیٰ سے انسان کو اس کی ابتداء آفرینش ہی میں نوازا گیا اور سب سے پہلے خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو دنیا کے سب سے پہلے انسان بھی تھے۔ اللہ تعالےٰ کی حکومت قائم کرنے کا تصور ابتدائے آفرینش انسان سے لے کر آج تک جاری ہے اور حیوانی حکومت کے غیر اسلامی تصور کے مقابلہ میں ہمیشہ ستیزہ کار رہا ہے۔ کل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اسی حکومتِ الٰہی کی تعلیم و تبلیغ کے لیے تشریف لائے تھے۔ اور اس کا واضح تفصیلی اور مکمل ترین خاکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بنی نوع انسان کے سامنے علمی و عملی دونوں صورتوں میں پیش کیا گیا۔

اسلام کی روح ارتقاء و عروج ہے مگر وہ وہمی اور عارضی ارتقاء نہیں جو غیر مسلمین کا نصب العین اور منتہائے فکر ہے بلکہ وہ ارتقاء جو گہوارہ سے شروع ہو کر عالمِ آخرت تک جاری رہتا ہے غیر اسلام میں ارتقاء و عروج کا تخیل بالکل محدود ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ انسان کی موت تک جاری رہتا ہے۔ لیکن اسلام اس کو غیر محدود بنا دیتا ہے اور موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے کیونکہ موت اس

کے نزدیک فنا نہیں بلکہ حیاتِ ثانیہ کا نام ہے۔ انسان اپنے ابتدائے وجود سے ایک راستہ پر گامزن ہوتا ہے جو مختلف منازل سے گزرتا ہوا منزلِ آخرت کو جاتا ہے۔ یہ راستہ ترقی کا راستہ ہے بشرطیکہ انسان اسلامی اصول و قوانین کی پابندی کے ساتھ اس پر گامزن ہو۔ کیونکہ اسلامی اصول یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح اور کس نیت و غرض سے اس راستہ کی ہر چیز کو استعمال میں لایا جائے تاکہ ہر منزل ترقی و عروج کی منزل بن جائے۔ ترقی کی تمام اقسام کے حصول کے لیے یہ لازمی ہے کہ انسان کائنات کا صحیح استعمال کرے۔ ہر چیز کے مفید پہلو سے فائدہ اٹھائے اور مضر پہلو سے اجتناب کرے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ انسان اپنے صحیح مرتبہ اور دوسری مخلوقاتِ عالم کے صحیح درجہ سے واقف ہو۔ پھر کچھ ایسے قوانین کا پابند ہو جو تمدن و عمران، معاش و اخلاق، ذہانت و تفکر اور علم و ادراک کے ان منازلِ ارتقار کو باقی رکھ سکیں جو انسان کو حاصل ہو چکے ہوں اور ان مراتب کو آئندہ مراتبِ ارتقار کے حصول کا ذریعہ بنا سکیں۔ خلافتِ الٰہیہ کا نظریہ ارتقار و عروج کے ان دونوں ضروری عناصر کو مجتمع کر دیتا ہے۔ انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض قرار دے کر اسلام نے ایک طرف تو کائنات میں انسان کی صحیح حیثیت اور موجودات کے ساتھ اس کے تعلق کی صحیح نوعیت متعین کر دی ہے اور دوسری طرف اس کے لیے موجودات میں تصرف کا صحیح طریقہ بھی معین کر دیا ہے کیونکہ جب انسان اللہ کا خلیفہ ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ یہاں مالک مختار کی حیثیت سے کوئی تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اسے تمام تصرفات اصل مالک کے مقرر کیے ہوئے قانون کے مطابق کرنے چاہئیں۔ خلیفۃ اللہ ہونے کے بعد انسان سمجھتا ہے کہ کل کائناتِ عالم اس کے فائدہ اور نفع کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس کا یقین وَخَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اور "سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ" اور اسی قسم کے دوسرے پیغاماتِ الٰہیہ پر ہوتا ہے اس لیے وہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر غائر نظر ڈالتا ہے عالم خلق کے چپہ چپہ کو استعمال میں لاتا ہے تاکہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کے محو کی پر عمل ہو جائے۔ وہ ان سب مخلوقات کو ارتقار کے مرتبۂ عظمیٰ یعنے ترقی آخرت کے لیے ذریعہ اور وسیلہ بناتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمدن

و عمران، علوم و فنون، فکر و ادراک غرض ہر میدان میں پیش قدمی کا صحیح رخ متعین ہو جاتا ہے۔

نظریۂ خلافت انسان اور دوسری مخلوقات کے درمیان نوعیت کا فرق قائم کر دیتا ہے دوسری مخلوقات کے لیے صرف قانونِ فطرت کی پیروی ہے اور اس پیروی میں ان کے لیے محض جبلت کی ہدایت کافی ہے۔ لیکن انسان ان کے برعکس خلیفہ یا نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کو دوسری مخلوقات پر تصرف کے اختیارات دیے گئے ہیں۔ اس کو تمیز و استدلال اور تفکر کی قوتیں دی گئی ہیں اور وہ زمین پر اللہ تعالٰے کا ذمہ دار و جواب دہ عہدہ دار ہے اس لیے اس کا کام محض تکوینی قوانین اور طبیعی اصول کی پیروی نہیں ہے بلکہ ان سے زائد ایک تشریعی قانون، ایک اخلاقی ضابطہ اور ایک جلی ہدایت کی پیروی کرنا بھی اس پر لازم ہے۔ بلکہ اس کی فلاح و سعادت کا انحصار ان ہی چیزوں کی پیروی پر ہے۔ چونکہ انسان کے لیے محض قوانینِ تکوینیہ کی اساس پر سعی و عمل اور ترقی و عروج کا کوئی ایسا پروگرام اور نظام نہیں بنایا جا سکتا جو سفرِ زندگی کی ہر منزل اور حیات کے کل شعبوں میں اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہو اس لیے قوانینِ الٰہیہ کی ضرورت ناگزیر ہے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان کو زمین پر اپنے فرائضِ منصبی انجام دینے کے لیے جس پروگرام اور نظام کی ضرورت ہے وہ لازماً خداوندِ تعالٰے کی طرف سے واضح ہدایات یا بالفاظِ دیگر وحی کے طور پر آنا چاہیے۔ اس طرح انسانی ارادہ ارادۂ الٰہی کا اور انسانی تعقل علمِ الٰہی کا تابع ہو جاتا ہے جس کا ایک اثر تو یہ ہوتا ہے کہ انسان کی قوتِ ارادی اور قوتِ تصرف میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ ہر قدم پر وہ محسوس کرتا ہے کہ فرمانروائے عالم کی طاقت اس کی پشت پر ہے۔ دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ ترقی کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے کیونکہ ہر اساسی اہمیت رکھنے والے مسئلہ میں انسان کو صحیح رہنمائی مل جاتی ہے اور اس کی قوت غلط تجربات میں ضائع نہیں ہوتی تیسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان ان تمام نقصانات سے محفوظ رہتا ہے جو انسانی حاکمیت کے بے اصل مفروضہ پر کام کرنے کی صورت میں لازماً پہنچتے ہیں۔ اس میں نہ طبقاتی کشمکش ہوتی ہے نہ سرمایہ دار و مزدور کی آویزش، نہ جماعت بندیاں ہوتی ہیں نہ فرقہ پرستیاں، نہ خونریزیاں ہوتی ہیں، نہ

ہلاکت آفرینیاں اس لیے یہ سب تو انسانی حکومت کے نتائج ہیں، حکومتِ الٰہیہ میں ان کا وجود کہاں ؟ ان تمام خرابیوں کے برعکس وہاں تو ایک ایسے تمدن کی تعمیر ہوتی ہے جس کا ہر پہلو انتہائی ترقی یافتہ اور امن و سلامتی اور راحت و اطمینان کا ضامن ہوتا ہے ۔

آزادی و مساوات کا حقیقی وجود صرف حکومتِ الٰہیہ ہی میں ممکن ہے اس لیے کہ وہاں کسی ادنےٰ سے ادنےٰ انسان کے خیالات، اعمال و افعال کسی فرد یا جماعت کے تابع نہیں ہوتے بلکہ صرف حق تعالےٰ جل شانہٗ کے احکام و تعلیمات کے تابع ہوتے ہیں۔ اخلاق کے حسن و قبح کو تمدن کے فنا و بقا میں بہت بڑا دخل ہے۔ اسلامی حکومت کی بنیاد ہی اصلاحِ اخلاق پر قائم ہے۔ حکومتِ الٰہی نہ صرف یہ کہ اخوانِ گناہ سے مانع ہوتی ہے بلکہ اندھیری کوٹھڑی میں بھی برے اخلاق و افعال کے ارتکاب کو روکتی ہے۔ گناہوں کی روک تھام وہاں ظاہر ہی میں نہیں ہوتی بلکہ باطن میں بھی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ خدائی حکومت ان بنیادوں کو منہدم کر دیتی ہے جن پر بدکرداریوں کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

خلافتِ الٰہیہ کے تصور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون سازی کے اختیارات انسان کو نہیں حاصل ہوتے۔ نہ کسی فرد کو اور نہ جماعت کو، بلکہ سب کو قانونِ الٰہی کی پیروی کرنا پڑتی ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت اور عوام میں یک جہتی اور باہمی تعاون و ہمدردی کی روح پیدا ہو جاتی ہے جس سے مملکت دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی ہے۔ علاوہ بریں قوانین کے اجرا و تنفیذ میں کوئی دشواری نہیں پیدا ہوتی۔ اس لیے کہ سوسائٹی کے افراد میں اطاعت کا داعیہ خود موجود ہوتا ہے۔ اور قانونِ الٰہی کی اطاعت کی جانب اس عام رجحان کی وجہ سے جو فضا پیدا ہوتی ہے اس میں خود بخود مطیع اور پابندِ قانون اشخاص پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

قانون کے اجرا و تنفیذ کے اختیارات بے شک ہیئتِ انتظامیہ یعنی حکومت ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اور حکومت میں بھی ایک شخص یعنے خلیفہ یا امیر کو مرکزی اہمیت حاصل ہوتی ہے لیکن سب سے بڑا بنیادی فرق جو اس حکومت کو دوسری حکومتوں سے ممتاز کرتا ہے

وہ یہ ہے کہ اسلام میں حکومت ایک متقی سوسائٹی کے اندر بنتی ہے اور انتظامی کاموں کے لیے عاملین کا انتخاب اہلِ تقویٰ اشخاص میں سے کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص کے ہاتھ میں اختیاراتِ عاملہ دینے کے جو بُرے نتائج غیر متقی یعنے غیر اسلامی سوسائٹی میں ظاہر ہوتے ہیں وہ متقی یا اسلامی سوسائٹی میں ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ عاملینِ حکومت کو جو اختیارات دیے جاتے ہیں وہ بھی غیر محدود نہیں ہیں۔ جن امور میں شرع کے احکام صریح ہیں ان میں حکومت کی حیثیت ایک آلۂ تنفیذ سے زیادہ نہیں۔ اور جو امور ان کے ماسوا ہیں ان میں اوّل تو حکومت کو مشورہ کا پابند کیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اسلامی شعور رکھنے والی پبلک کو محاسبہ اور تنقید کے پورے اختیارات دیے گئے ہیں۔ اسلام لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ حکمرانوں کے اعمال کو غور سے دیکھتے رہیں۔ جب تک وہ خدا اور رسول ؐ کی ہدایت پر چل رہے ہوں ان کی پوری اطاعت کریں اور جب ان کا رویہ مشکوک ہو تو محاسبہ کریں اور تنقید و نصیحت سے اصلاح کی کوشش کریں اور جب ان کو اتنا منحرف پائیں کہ دین میں فساد کا خطرہ ہو تو ان کو معزول کر دیں۔

مقاصد

مندرجۂ بالا تصریحات سے خلافتِ الٰہیہ کے قیام کا مقصد خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ تاہم اس کے ماخذ کے ساتھ اس کا تذکرہ کرنا مناسب ہے تاکہ شک وریب کی گنجائش نہ رہے۔ قرآن مجید آیۂ مندرجۂ ذیل الفاظ میں خلافتِ اسلامیہ کے مقاصد کا تذکرہ کرتا ہے:

"وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو روئے ارض پر اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے۔"

اس آیت میں قیامِ خلافت کے چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں: (۱) اقامتِ صلوٰۃ (۲) ایتاءِ زکوٰۃ (۳) امر بالمعروف (۴) نہی عن المنکر۔ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد صرف نماز ہی پڑھنا نہیں ہے بلکہ کل عباداتِ بدنیہ اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے اس میں داخل ہیں۔ اسی طرح ایتاءِ زکوٰۃ سے مراد صرف زکوٰۃ دینا ہی نہیں ہے بلکہ پورے معاشی نظام کو اسلامی معیار و اصول پر قائم کر دینا بھی اس

میں داخل ہے۔ رہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ان کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر معروف انسان کی حقیقی ترقی میں معاون اور ہر منکر اس کی حقیقی ترقی میں مانع ہے۔ پس دوسرے الفاظ میں خلافتِ الٰہیہ کے قیام کے مقاصد یہ ہیں: (۱) عبد اور معبود کے تعلق کو مضبوط و مستحکم بنانا اور بنی نوعِ انسان کو صحیح معنوں میں خداوندِ عالم کا بندہ بنا دینا (۲) دنیا کے معاشی نظام کو درست کر کے ایسی حالت پر قائم رکھنا جس میں نہ جماعتی قارونیت کا وجود ممکن ہو سکے اور نہ شخصی قارونیت کا اور نہ فاقہ کشی و غربت کے دلگداز نظارے دیکھنے میں آئیں (۳) نوعِ انسانی کو ہر شعبۂ زندگی میں ارتقاء و عروج کی طرف بڑھانا اور (۴) نوعِ انسانی کی زندگی کے ہر شعبہ میں ارتقاء و عروج کی راہ میں جو موانع ہوں ان کو دُور کرنا۔

خلافتِ الٰہیہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مسلمان حاکمِ مطلق ہوں، خوب دادِ عیش دیں اور ان کے ماتحت جو قومیں ہوں ان کے ساتھ جو چاہیں سلوک روا رکھیں۔ اگر اسلامی حکومت کا یہ مقصد ہوتا تو اس میں اور غیر اسلامی حکومت میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے معنے مسلمانوں کے اقتدارِ اعلےٰ کے نہیں ہیں۔ مسلمانوں کی حاکمیت کا یہ تصور اسی طرح اور اسی قدر ناجائز اور خلافِ حق و انصاف ہے جس قدر غیر مسلموں کی حاکمیت۔ اسلام انسان کے اقتدارِ اعلےٰ ہی کا مخالف ہے۔ اس کا مقصد تو اللہ تعالےٰ کی حاکمیت و اقتدار قائم کرنا ہے اور اس اصل الاصول کے خلاف جہاں جو حکومت بھی ہو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہے خواہ وہ کسی مسلمان بادشاہ یا نواب کی حکومت ہو یا غیر مسلم قیصر اور راجہ کی۔ اور خواہ وہ مسلمان قوم کی حکومت ہو یا غیر مسلم کی۔ دراصل اسلامی حکومت نام ہے ان اصول و قوانین کی حکومت کا جو حق تعالےٰ نے بنی نوعِ انسان کی فلاح و ترقی کے لیے اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے تعلیم کیے ہیں اور اسلامی حکومت کی جانب دعوت دینے کا مطلب انہی اصول و قوانین کی جانب دعوت دینا ہوتا ہے نہ کہ مسلمانوں کی غلامی اور ماتحتی کی جانب۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا مقصد نہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کی ماتحتی میں لانا ہے اور نہ مسلمانوں کی خود اپنی حکومت قائم کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد چند اصول و قوانین

کے تحت مسلموں اور غیر مسلموں سب کی زندگی کو ڈھالنا ہے۔ یہ اصول اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ہیں اس لیے دوسرے الفاظ میں ان اصولوں کی تبلیغ کرنے والے انسان ہر انسان کو دوسرے انسانوں کی اور خود اس کے اپنے نفس کی غلامی سے آزادی دلا کر اللہ تعالیٰ کی حکومت میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جو فرق نظر آتا ہے وہ اس لیے ہے کہ مسلمان داعی ہیں اور غیر مسلم مدعو۔ لیکن جب غیر مسلم ان اصولوں کو قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے تو دونوں مساوی ہو جائیں گے اور ترقی و عروج کے لوازمات سے یکساں مستفید ہوں گے۔ اسلامی اصول و قوانین کے منافع کسی نسل و وطن یا قوم و قبیلہ کے ساتھ مقید و محدود نہیں ہیں بلکہ دنیا کی ہر قوم اور ہر نسل کے اشخاص ان سے یکساں طور پر استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسلامی نظامِ حیات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت محض بنی نوع انسان کی فلاح و ترقی کے لیے ہے اور ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ اس دعوت کا محرک ہے۔ اور اس کی بنیاد بھی محض جذبات پر قائم نہیں ہے بلکہ ایسی قوی و مستحکم عقلی و فطری دلائل بھی اس کی بنیاد ہیں جو ہر صحیح الفطرت اور سلیم العقل انسان کو اپیل کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے سیاسی افکار

مصنفہ پروفیسر رشید احمد

سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں مسلمان مفکروں اور مدبروں کے نظریات کی خاص اہمیت ہے لیکن ان کے نظریات کو ایک جگہ جمع کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے ـــــ اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے بارہ مفکروں کے نظریات پیش کیے گئے ہیں اور کتاب کے شروع میں قرآنی نظریۂ مملکت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس کو تمام مفکرین نے اپنے نظریات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قیمت ۵،۷۵ روپے۔

ملنے کا پتہ: سیکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور